ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ماخذ تحقیقی مجلہ

محمد رشید

پی ایچ ڈی اردو سکالر، شعبہ اردو، پشاور یونیورسٹی

ڈاکٹر روبینہ شاہین

پروفیسر شعبہ اردو، پشاور یونیورسٹی

خیبر پختونخوا (جنوبی اضلاع) کے مشہور افسانہ نگار

Muhammad Rasheed
Ph.D Urdu Scholar, Department of Urdu, Peshawar University.
Dr. Robina Shaheen
Professor, Department of Urdu, University of Peshawar.

The Famous Short Story Writer's of Khyber Pakhtunkhwa (Southern Distracts)

In every era, Urdu literature has found such talented writers who have made a significant contribution to the capital of Urdu literature. Whether in poetry or prose, writers of Urdu literature have presented great works in both genres. Khyber Pakhtunkhwa has also been very fertile in this regard. The region has produced many poets and writers whose literary services are milestones in the history of Urdu literature. If we mention the southern Districts of Khyber pakhtunkhwa in particular, this area has also contributed a lot in producing great literary work in Urdu literature. There is a noteworthy number of many known and unknown poets and writers of Southern Districts, who created great master pieces in poetry as well as in prose. From Bayazid Ansari (Pir Roshaan) to Munir Ahmad Firdous, there are Numerous prose writers who have contributed in different genres. In this Article is about such prose writers of the Southern districts, who have presented their literary work in prose. The Research Article says about the prominent Writers that contributed to the Genre the short story the down districts of Khyber Pakhtunkhawa.

Key Words: *Urdu Literature, Talented, Significant, Khyber Pakhtunkhwa.*

اردو زبان وادب کے حوالے سے خیبر پختون خواہ کا جنوبی خطہ بڑا زرخیز واقع ہوا ہے۔بقول احمد پراچہ:

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

"زمانہ قدیم سے عہد حاضر تک یہاں علم و ادب کی شمعیں روشن چلی آ رہی ہیں۔"[۱]

اُردو کے معروف ناول نگار، افسانہ نگار، خاکہ نگار اور ڈراما نگار "رحیم گُل" کا تعلق جنوبی ضلع کوہاٹ سے ہے۔ وہ ملک گیر شہرت کے حامل ادیب ہیں جو نثر میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ اُنہوں نے اُردو ادب کو کئی خوب صورت اور شہرہ آفاق ناول، افسانوں کے دو مجموعے، خاکوں کے مجموعے اور ایک ڈراموں کا مجموعہ دیا اور اپنے قلم کے ذریعے ملک قوم اور اُردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی کے لیے جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جنوبی اضلاع کے اُردو ادبی تاریخ میں اُن کا نام امتیاز کا حامل ہے۔

وہ زندگی کے ترجمان، ترقی پسند سوچ و فکر کے حامی اور حقیقت پسند ادیب تھے، جنہوں نے اپنے مشاہدے کو ٹھوس پیکر میں سنوارا۔ حرف و لفظ کو ایسا متحرک کیا کہ وہ دلوں کی طرح دھڑکنے لگے۔ وہ ایک اعلیٰ پائے کے ادیب تھے۔ اُن کی ذہنی زرخیزی نے ادب کے گلستان کو آب و رنگ کی زرخیزیاں بخشیں۔ اُن کی تحریر میں روانی اور سلاست بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ وہ خوبصورت الفاظ کا برمحل اِستعمال کرتے تھے۔ اُن کا اسلوب نگارش پختہ اور شگفتہ تھا۔ بڑے پُر جوش طبعیت کے مالک نرم گرم انسان تھے۔ وہ بڑے بے باک انداز کے مالک بھی تھے جس کے باعث اُن کا شمار ملک کے عظیم لکھاریوں میں ہوتا ہے۔ وہ اگرچہ رومانیت کے سرخیل ہیں لیکن ناقدانہ اور واعظانہ صورت میں اصلاحی رنگ اور ایک واضح مقصدِ حیات رکھتے ہیں۔ داخلی جذبات و احساسات کا اظہار بہت خوبصورت انداز میں کرتے ہیں۔ فنی طور پر زبان و بیان اور منظر نگاری میں جواب نہیں رکھتے۔ وہ صاحبِ طرز ادیب ہیں جن کی ادبیت کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

آپ نے اردو ادب کے چند لافانی کرداروں میں سے ایک کردار امتل کا کردار تخلیق کیا۔ آپ زندگی کے ترجمان، ترقی پسند سوچ و فکر کے حامی ادیب تھے۔ رضا ہمدانی آپ کے ادبی مقام کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں؛

> "رحیم گل کا گہرا مشاہدہ اپنی جگہ مگر جس بھرپور طریقے سے اس نے اپنے مشاہدے کو ٹھوس پیکر دیا۔ حرف و لفظ کی بے جان کلیوں میں دھڑکتے ہوئے دل رکھے اور ساکت و صامت و حیران وادیوں، گزرگاہوں اور نشیب و فراز کو باتیں کرنے کا ڈھنگ سکھایا۔ وہ رحیم گل ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔"[۲]

طاہر آفریدی ؔ کا تعلق بھی خیبر پختونخوا کے جنوبی خطے سے ہے جو پشتو اور اُردو ہر دو زبانوں ک افسانوی ادب میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں خیبر پختون خوا کی معاشرت کی بھرپور ترجمانی کی

ہے۔ انہوں نے بڑے حقیقی مگر دلچسپ انداز میں پٹھان قوم کی معاشرتی زندگی اور رہن سہن کو پیش کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں خیبر پختون خوا کی تہذیب، معاشرت رسوم ورواج اور روایات وحکایات کی جھلکیاں ہی نہیں ملتیں بلکہ ان سنگلاخ چٹانوں میں بسنے والوں کے احساسات وجذبات کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ وہ ادب میں رومانوی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں حسن وعشق کے معرکے ہی سر کیے ہیں اور دونوں زبانوں میں رومانی رویوں کو جلا بخشتی ہے۔ اُن کی کہانیوں کی مکمل فضا رومانی ہوتی ہے اور وہ پشتون ثقافت وتاریخ کے تانے بانے کے ساتھ حُسن ومحبت کے واقعات بیان کرکے اِس رومانی فضا کو قائم رکھتے ہیں جو اُن کا وطیرہ خاص ہے۔

طاہر آفریدی کا اسلوب اپنے اندر جاذبیت اور دلچسپی کے اوصاف رکھتا ہے۔ یوں یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ وہ ایک اعلیٰ پائے کے ادیب ہیں۔ آج کل کراچی میں ہوتے ہیں اور اپنے وطن سے دور بیٹھ کر حُبِ وطن کے نغمے الاپتے ہیں۔ پشتو اور اُردو کو خوبصورت افسانے جن میں اپنے علاقے کی ثقافت اور رسوم ورواج کو اُجاگر کیا گیا ہوتا ہے تخلیق کرتے ہیں۔ اُن کا ذہن اُلجھاؤ کا شکار نہیں ہوتا اُن کے ہاں اپنے دور سے ہم رشتہ زاویۂ نگاہ ہے اور وہ عالمگیر صداقتوں پر مکمل ایمان رکھتے ہیں جس کے باعث اُن کے افسانے اُن کے سچے اور معصوم عقیدے کے ترجمان ہوتے ہیں۔ وہ اپنے معاشرے کے بہترین نباض بھی ہیں۔ وہ جہاں پشتونویت پر فخر کرتے، وہاں اپنے معاشرے کے رسوم ورواج پر کُڑھتے بھی ہیں اور ان کے برخلاف اظہار بھی کرتے ہیں اگرچہ قبائلی روایات کو مقدم سمجھتے ہیں مگر غلط رسوم کے خلاف آواز بھی اُٹھاتے ہیں۔ اظہار خیال کے لیے موزوں الفاظ کے انتخاب میں طاہر کو فنکارانہ کمال حاصل ہے وہ اس فنی باریکی سے آگاہ ہیں کہ بے جا لفاظی اور تصنع وبناوٹ کی ملمع سازی افسانے کے تاثر کو مجروح کرسکتی ہے لہذا وہ کم سے کم الفاظ اور نپے تلے اور سلجھے ہوئے انداز میں موضوع کو آگے بڑھاتے ہیں۔

وہ ایک اچھے ناول نگار بھی ہیں۔ انہوں نے اپنی ناول تیری آنکھیں خوبصورت ہیں میں پشتون تہذیب و ثقافت کے علاوہ پشتون معاشرے میں موجود کمزوریوں پر کھل کر قلم اُٹھایا ہے۔ زاہدہ حِنا لکھتی ہیں:

> "اس ناول کو پڑھتے ہوئے طاہر آفریدی کے مشاہدے کو داد دینی پڑتی ہے۔ انہوں نے پشتون مردان خانے اور زنان خانے کے کتنے ہی مناظر اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ لکھے ہیں۔"(۳)

"فیروزہ بخاری" خیبر پختون خوا کی ادبی دنیا میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ وہ جنوبی خطے سے تعلق رکھنے والی اُردو شاعرہ اور نثر نگار خاتون ہیں جو نہ صرف خوب اشعار کہتی ہیں بلکہ سبق آموز اور دلچسپ ناول وافسانے بھی

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

تخلیق کرتی ہیں۔ اُن کا مضمون سائنس ہے لیکن اُنہوں نے جو ادب سے رجوع کیا تو اِس کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنالیا اور مختصر مدت میں اُردو ادب کو کئی تصانیف بخشیں۔ وہ ہمیشہ خوب تر کی متلاشی رہتی ہیں بڑی حساس اور خود دار طبعیت کی مالک ہیں اُن میں تخلیقی جوہر اور فنی پختگی پائی جاتی ہے۔

ان کے افسانے معاشرتی زندگی کے عکاس ہوتے ہیں۔ وہ معاشرتی زندگی کے پیچ و خم سے گزرتے ہوئے کردار و کہانی تشکیل دیتی ہیں۔ ان کی کہانیاں کرداری کہانیاں ہوتی ہیں۔ وہ کرداروں کے عمل اور ردعمل سے کہانی کا پلاٹ تشکیل دیتی ہیں۔ وہ اعلیٰ اخلاق اور مثبت اقدار کا احیاء چاہتی ہیں۔ اس لیے ان کے کردار سراپا نیکی بن کر سامنے آتے ہیں جو اپنے عمل کے ذریعے نیکی، سچائی اور خلوص کا مجسمہ ہیں۔ ان کے معتوب کردار بھی سراپا عبرت بنے درس زندگی دیتے ہیں۔ ان کے جملہ کردار معاشرتی زندگی کے کسی نہ کسی مثبت پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں جمالیاتی ذوق کے ساتھ ساتھ اصلاحی رنگ بھی پایا جاتا ہیں۔

وہ اُردو ادب میں جس طرح ایک دھماکہ بن کر وارد ہوئی تھیں اُسی طرح یک بارگی جو دنیائے ادب سے منہ موڑ گئی تو ڈھونڈھنے سے بھی اُن کا سراغ نہ ملا حالانکہ وہ ادبی دنیا میں نو وارد، نو آموز تو نہیں تھیں جو اتنی جلدی اپنی پہچان کھوتی مگر اِس ادبی سفر میں وہ اتنی جلدی اور آغاز ہی میں ہمت ہار گئیں اور ادبی آبیاری سے وہ اپنی تحریر میں کبھی بھی ابہام یا تجرید کا سہارا نہیں لیتیں۔ معاشرے میں خیر کے جذبات کے فروغ اور شائستگی کے احساسات کی افزائش بہت خوبصورت اور نرالے انداز میں کرتی ہیں۔ وہ محبت اور حق کی پرستار ہیں۔ زندگی سے بھر پور پیار کرتی ہیں اور اِس کو اپنا حاصل سمجھتی ہیں۔ وہ اگرچہ رومانی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتی ہیں مگر اپنی تحریر میں مقصدیت کو اولیت دیتی ہیں۔ اپنی باتوں کو تفصیل اور پوری جزئیات کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ اُن کے افسانوں کے موضوعات اگرچہ نسائی ہیں لیکن ہمارے موجودہ معاشرے سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور بڑے سیدھے سادے طریقے سے اِن سرگرمیوں کو دکھانے کی کوشش کرتی ہیں۔

اُن کا انداز بڑا سادہ، بیان سلیس اور رواں ہے۔ اُن کی تحریر میں افسانے کی جملہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ اُن کے ہاں وطن سے محبت ہر سُو جھلکتا ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں اپنے خطے کی مٹی کو اُجالتی ہیں جو ڈھیر ساری خوشبوؤں پر بھاری ہے اُن کا اُسلوبِ تحریر شگفتہ اور بے ساختہ ہونے کے ساتھ ساتھ سنجیدگی کا مظہر بھی ہے جس میں ٹکسالی زبان کا روزمرہ غضب ڈھاتا ہے۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

اُردو افسانوی ادب میں شہرت رکھنے والے ''معصوم شاہ ثاقبؔ'' کا تعلق بھی جنوبی اضلاع سے ہے۔ وہ شروع ہی سے ادب کے دلدادہ تھے۔ تلاش معاش کی خاطر کراچی گئے تو وہاں اِس شوق کو اور جلا ملی، سو شاعری کے ساتھ ساتھ مختصر افسانہ نویسی بھی شروع کی۔ ساتھ خود کو فنِ کتابت میں بھی تاک کیا۔ مقامی طور پر کئی ادبی تنظیموں کے سرگرم رکن بھی رہے۔ وہاں سے شائع ہونے والے جریدے ''شہ پارہ'' میں کالم نویسی بھی کی۔ پھر وطن واپس آئے۔ آج کل پشاور میں ہوتے ہیں۔

وہ اُردو ادب کو مختصر افسانوں کے مجموعے ''بند مُٹھی'' اور ''ٹوٹی کہاں کمند'' دے چکے ہیں جن میں اُنہوں نے موجودہ پر آشوب سماجی مسائل کو بڑے خوبصورت اور دوٹوک انداز میں اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ثاقب کی کہانیاں ہمارے معاشرے کے رستے ناسوروں کو عریاں کرکے ہمیں سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کا شمار منفرد لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ ان کی کہانیاں ان کے مشاہدہ و مطالعہ کا نچوڑ ہیں۔ جس میں انہوں نے اپنے ارد گرد کے ماحول کی بڑی عمدہ عکاسی کی ہیں۔ اُن کے افسانچوں کا پورا مفہوم ایک جملے میں پنہاں ہوتا ہے جو اکثر آخری جملے میں ہوتا ہے۔ وہ ایک درد مند دل رکھنے والے ادیب ہیں جو اپنی تحریر میں انسانیت کے دکھ درد سمیٹتے ہیں۔ ظلم، جبر اور انسانی استحصال کے خلاف آواز اُٹھاتے ہیں۔

ان کے مشاہدے و مطالعہ کی گہرائی و گیرائی نے ان کے مختصر افسانوں کو فکری رعنائی بخشی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا فن عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ ان کے افسانے عصری آگہی کے غماز ہیں۔ وہ اپنے دور کے انسان کے جان دار اور کھردرے مسائلِ زندگی کو بیان کرتے ہیں۔

ثاقب کا اندازِ تحریر سادہ، سبک اور رواں ہے۔ چند لائنوں کے افسانچے میں قاری زندگی کی تلخ حقیقتوں اور نظریات کی جھلک پاکر زندگی کی صداقتوں کو پالیتا ہے۔ وہ اس قدر صاف اور واضح پیرائیہ اظہار اپناتے ہیں کہ کم عقل اور سطحی ذہن رکھنے والا قاری بھی ان کے افسانوں کی تہہ تک پہنچنے اور اپنا مطلب پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ان کی تحریر مختصر لیکن پر تاثیر ہے۔ وہ دریا کو کوزے میں بند کرکے اپنی بات قاری تک پہنچاتے ہیں۔ چند سطور پر مشتمل پلاٹ کو وہ اس طرح سادہ الفاظ میں سمو دیتے ہیں کہ قاری لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کے یہاں کہانی بڑی سلاست و روانی سے آگے بڑھتی ہے اور آخر میں ڈرامائی انداز میں کہانی کو نیا موڑ دے کر وہ قاری کو چونکا دیتے ہیں۔ یہی ان کی فنی مہارت ہے۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

محبت خان بنگشؔ[۳] جنوبی اضلاع کے ممتاز اور سینئر صحافی، شاعر و ادیب، افسانہ نگار، خاکہ نگار، اور سوانح نگار ہیں۔ اُنہوں نے عمر بھر اِردو زبان اور ادب کی اشاعت و ترویج کے لیے کوششیں کیں۔ باالفاظِ دیگر جنوبی اضلاع میں اُردو زبان و ادب کی سب سے زیادہ خدمت کرنے والے ادیب ہیں۔ پہلے پہل وہ مزاحیہ شاعری کی جانب راغب تھے لیکن بعد میں سنجیدگی کی طرف مائل ہو گئے۔

ان کی کہانیوں کے بارے میں رضا ہمدانی لکھتا ہے کہ:

"بنگش کی کہانیاں اگرچہ روایتی انداز سے باہر قدم نہیں رکھتیں، تاہم معاشرے میں ایسے قاریوں کی بھی کوئی کمی نہیں، جن کی ذہنی سطح ایسی ہی سلیس و سادہ کہانیوں کو پسند کرتی ہے۔"(۴)

اُنہوں نے بھرپور صحافتی زندگی گزاری ہے اور کئی مقامی و ملکی اخبارات میں نامہ نگاری کی ہے۔ موصوف صحافت کے علاوہ افسانہ نگاری بھی کرتے ہیں اور جنوبی خطے کے ہر دلعزیز افسانہ نگار بھی ہیں جو سادہ پیرائے میں کہانی لکھ کر اصلاحِ معاشرہ کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے کہانی کے واقعات کا انتخاب کرتے اور اپنے قلم کو درد کی سیاہی میں ڈبو کر سماجی خرابیوں اور دیگر ناروا عوامل پر بڑے اصلاحانہ انداز میں تنقید کرتے ہیں۔ وہ تواتر کے ساتھ قلمی جہاد میں مصروف ہیں۔ جہاں کہیں معاشرتی خرابی دیکھتے ہیں اُسے قلم کے ذریعے رفو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اگرچہ رومانی سوچ رکھنے والے ادیب ہیں مگر اپنی تحریروں میں واضح مقصدیت رکھتے ہیں جس کے باعث وہ "ادب برائے زندگی" کے قائل ہیں۔

وہ اپنے قلم کو ملک و قوم کے اجتماعی مفادات کو مدِ نظر رکھ کر استعمال کرتے ہیں۔ ہمیشہ حق گوئی، بے باکی اور جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ زندگی میں تصنع اور بناوٹ کے سخت خلاف ہیں۔ جھوٹ بولنے کو ادبی اقدار کے لیے زہر قرار دیتے ہیں اور ہمیشہ صداقت کا ساتھ دیتے ہیں۔

سید محمود شوکتؔ[۵] بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں۔ اس کے جملہ افسانوں کا موضوع محبت ہے۔ مصنف کا مطمعِ نظر یہ ہے کہ ساری دنیا کے لوگ مل جل کر رہیں۔ آپس میں خود کو رشتۂ محبت میں جڑے رکھیں تاکہ دنیا میں امن و آشتی ہو۔ وہ وطن پرست بھی ہیں۔ اپنے وطن کی مٹی سے بے حساب پیار کرتے ہیں وہ خود کو جذبۂ وطنیت سے سرشار رکھتے ہیں اور اپنے ہم وطنوں کو بھی جذبۂ وطن کو جزوِ ایمان بنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ شاید اِس وجہ سے اُن

کی تحریر میں رجائیت پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی تحریر میں قاری کو مایوسی کی بجائے اُمید کی طرف لے جاتے ہیں اور زندگی میں خوشیاں بھرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

شوکت صاحب کا جھکاؤ رومانوی تحریک کی جانب ہے۔ اس کی جھلک ان کے کئی افسانوں میں نظر آتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں عریانگی کا عنصر نظر آتا ہے مگر ان کی یہ جنسیت بے لگام نہیں :

"کل وہ پھر پروانہ وار آئے گی اور جب وہ میرے قریب ہو تو اسے میرے چہرے کی جھریاں نظر نہ آئیں گی۔ وہ مجھے تم سے بھی زیادہ طاقتور پائے گی۔"(۵)

چونکہ فاضل مصنف رومانوی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اِس لیے اُن کے افسانوں میں مقصدیت کا رنگ کچھ کم ہی نظر آتا ہے لیکن اِس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ حقیقت پسند نہیں ہیں۔ اُنہوں نے رومان اور حقیقت کے تال میں سے سچے انسانی جذبوں اور اعلیٰ اقدار کو اُجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

احمد پراچہ "ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں جو جنوبی اضلاع کے اُردو کے صاحبِ طرز ادیب ہیں اور ادبی حلقوں میں بطورِ ناول نگار، محقق، تبصرہ نگار اور شخصیت نگار اپنی نمایاں پہچان رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے تحقیقی میدان میں بھی اُردو ادب میں کافی کام کیا ہے۔ شعر و شاعری کے علاوہ اُردو ادب کی جملہ اصناف میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔ اُن کی علمی و ادبی، تحقیقی و تنقیدی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اُن کا احاطہ یہاں ممکن نہیں ہے۔ اسلم فیضی کے خیال میں:

"انہوں نے معاشرتی موضوعات کو بڑی خوب صورتی سے نبھایا ہے۔ انسانی دکھ اور کرب کے علاوہ ان کی کہانیوں میں فاضل مصنف کے شدید جذبات اور احساسات کا اظہار بھی ملتا ہے۔"(۶)

وہ ایک بلند پایہ نثر نگار ہیں اعلیٰ درجے کے محقق، تبصرہ نگار اور نقاد ہیں۔ اُنہوں نے اپنی پوری زندگی اور زندگی کی تمام صلاحیتوں کو اُردو زبان وادب کی ترقی و ترویج کے لیے وقف کیا ہوا ہے۔ وہ اور ترقی اُردو ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہو گئے ہیں جو قابلِ فخر امر ہے۔

وہ خادمِ اُردو ہیں اُردو ادب ہی اُن کا اُوڑھنا بچھونا ہے۔ اُن کی جہت اُردو ادب کی ہر صنف پر اتنی گہری ہے کہ ہر موضوع اُن کا خاص موضوع لگتا ہے۔ اُن کی ذہانت اور طباعی کی صلاحیت فزوں تر ہے۔ اُنہوں کی گراں قدر تحقیقی، تنقیدی، تاریخی، علمی وادبی خدمات سب میں نمایاں ہیں۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

احمد پراچہ کی کہانیاں زندگی کی کہانیاں ہوتی ہیں۔زندگی ان کے افسانوں کے رگ رگ میں خون بن کر دوڑ رہی ہے۔رومانیت بھی حقیقت سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ان کے کردار روزمرہ زندگی کے چلتے پھرتے ہنستے بولتے کردار ہیں جو رومانی ہوتے ہوئے بھی حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔انسانی دکھ درد اور کرب وبلا سے دوچار ہوتے ہیں۔احساس کے نشتر سے زخمی ہوتے ہیں۔زندگی کی تلخیوں اور خوشیوں کے ملے جلے احساس کے ساتھ زندہ رہتے ہیں وہ ہماری طرح زندگی کے خواب دیکھتے ہیں۔ان کے جذبے جواں رہتے ہیں۔جن کو حالات وواقعات سے تحریک ملتی ہے۔

وہ جذبات کا اظہار بڑے دھیمے اور نرم لہجے میں کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں میں تیزی اور تیکھاپن نہیں بلکہ دھیمی آنچ کا احساس ہوتا ہے۔ان کے افسانے مشاہدے کی گہرائی اور مطالعہ کی وسعت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں۔جذبے کی صداقت اور خلوص سے لکھتے ہیں۔کہانی کی اٹھان جاذب توجہ ہوتی ہے۔ایک اچھے افسانہ نگار کی طرح ان کا رسا ذہن ہر لمحہ نئی دنیا کی تلاش میں رہتا ہے۔ہر افسانے میں نکھری سوچ سامنے آتی ہے۔ان کے افسانوں میں زندگی گوناگوں مظاہر کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے جو کبھی احساس کے کرب سے دکھی کردیتا ہے اور کبھی نشاط وانبساط سے مسرور کرتا ہے۔

پروین عظیم "اگرچہ میڈیکل کے شعبے سے وابستہ ہیں مگر اُردو ادب کی جانب طالب علمی کے زمانے ہی سے راغب رہی ہے۔۱۹۹۰ء میں اُن کے افسانوں کا مجموعہ "گورکی کی ماں" شائع ہو چکا ہے جس میں اُن کا افسانوی نثر سادگی، سلاست اور روانی کا بہترین نمونہ ہے۔اُنہیں بات سے بات پیدا کرنے میں کمال حاصل ہے۔معنویت اور معاملہ بندی کے علاوہ منظر نگاری اور اثر آفرینی بھی اُن کی تحریر کے خاص جواہر ہیں جو قاری کے دل پر ایسا اثر ڈال رہے ہیں کہ افسانے کے کردار اُن کے ذہن میں تادیر گھومتے پھرتے محسوس ہوتے ہیں۔وہ اُردو زبان پر مکمل قدرت رکھتی ہیں، اِس لیے جس موضوع پر ایک بار لکھنا شروع کردیتی ہیں تو بے تکان لکھتی چلی جاتی ہیں اُن کے قلم کی روانی قابلِ داد ہے۔ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے ان کے شب وروز دکھ درد اور کرب وبلا سے کراہتی ہوئی انسانیت کے درمیان گزرتے ہیں اس لیے ان کے زیادہ تر افسانوں کا موضوع ہسپتال کا ماحول اور مجبور انسانیت ہے۔وہ کمال فن کاری کے ساتھ اپنے پیشے سے متعلق حقائق کو افسانوی رنگ میں پیش کرتی ہیں۔

وہ امراضِ نسواں کی مستند ماہر ہیں اِس ناطے ہمارے ہسپتالوں میں جو کچھ ہوتا ہے اور وہاں لوگوں پر جو کچھ بیتتی ہے، اُن کا احوال اُنہوں نے جابجا اپنے افسانوں میں کیا ہے۔اُن کی عظمت اِس امر میں بھی پنہاں ہے کہ وہ

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ہمیشہ سچ لکھتی ہیں۔ اگرچہ مصلحت کے تحت کرداروں کے ناموں اور سرگرمیوں میں ردو بدل کر لیتی ہیں لیکن واقعات و حادثات کی مد میں جو کچھ محسوس کرتی ہیں، من و عن بیان کرتی ہیں اور اپنے اندازِ تحریر کو بالکل فطری رکھتی ہیں جس کی وجہ سے اُن کا منفرد لہجہ سامنے آتا ہے۔ وہ بڑے سادہ اور دلچسپ انداز میں بڑی بڑی حقیقتوں کو چھوٹے چھوٹے فقروں میں بیان کر دیتی ہیں۔ ان کے اصلاح پسندی اتنی ہی ہے جتنی کسی شہ پارے کے فن کارانہ حسن کے دائرے میں رہ کر کی جاسکتی ہے اور اس سے وہی تاثر قائم ہوتا ہے جو ایک فنکار چاہتا ہے۔

اپنی پیشہ ورانہ اور خانگی مصروفیات کی وجہ سے وہ زیادہ تخلیقات پیش نہیں کر سکیں۔ ان کے ہاں محاورات کا جابجا استعمال اور فقرہ بندی نہیں وہ تحریر کی سادگی کی قائل ہیں انسانیت کے دکھ درد اور کرب کو بیان کرنے کے لیے وہ لفاظی اور صناعی سے کام نہیں لیتی نہ زبان کے چٹخارے سے اپنی کہانی کو رنگین بناتی ہیں۔ وہ نفسِ مضمون کو سادہ انداز میں بیان کرنے کی قائل ہیں۔ ان کی کہانی موضوعاتی اور اسلوبیاتی لحاظ سے سادہ اور دلنشین ہوتی ہے۔ وہ زبان دانی کا مظاہرہ کرنے کی بالکل شوقین نہیں۔ وہ اپنی کہانیوں کو سادہ اور مختصر جملوں کی مدد سے آگے بڑھاتی ہیں اس لیے افسانوں کو غیر معمولی تراکیب اور محاوروں سے پاک رکھنے کی شعوری کوشش کرتی ہیں تاکہ بات دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے یہی بات ان کے افسانوں میں ایک تاثر پیدا کرتی ہے۔ ان کا یہ انداز کہانی کے حسن کو دوبالا کرتا ہے۔

صفیہ بشیر گنڈہ پور" بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں جن کا واحد افسانوی مجموعہ "زرغونہ" ۱۹۹۹ء میں طباعت کے مراحل سے گزر چکا ہے، جس کے اکثر افسانے عورتوں کے مسائل پر مبنی ہیں۔ چوں کہ خود صنفِ نازک ہیں لہٰذا اِس ناطے اُن کی ترجیحات اور معاملات پر پڑنے والے منفی اثرات کو اُنہوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا ہے اور اِن کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ اُنہوں نے اپنے اکثر افسانوں میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ معاشرے میں عورت کا کوئی پُرسانِ حال نہیں جس کے باعث وہ محرومیوں کی شکار ہے۔ وہ گھروں میں نوکرانی بن کر زندگی گزارنے پر مجبور ہے جبکہ باہر کی زندگی میں اُسے بطور شوپیس بن کر رہنا پڑتا ہے جو خود اُس کی ذات پر بڑا ظلم ہے۔

صفیہ کی تحریر میں تازگی اور جدّت پائی جاتی ہے۔ وہ باریکیِ خیال کو اپنی انفرادیت کا خاصہ سمجھتی ہیں۔ خیال آفرینی اور بے ساختگی کے علاوہ اسلوب کی سادگی اور سلاست اُن کی تحریری خوبیاں ہیں۔

"آصف اقبال سلیم" کا تعلق جنوبی خطے سے ہے اور اُردو افسانوی ادب میں جنوبی اضلاع کی سطح تک بلند مقام رکھتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر رومانوی مکتبہ فکر رکھتے ہیں اور اپنے افسانوں میں حسن و عشق کے بھرپور عمل دخل

کو مقدم رکھتے ہیں۔ اُن کے بیشتر افسانوں میں محبت میں ناکامی کا رونا دھونا ہوتا ہے اور وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب مقدر میں کوئی چیز لکھی ہی نہ ہو تو اُس کے حصول کی کوشش حماقت ہوتی ہے۔

اُن کے کچھ افسانے دیگر موضوعات مثلاً جاگیر دارانہ آمریت، بے روز گاری، فرقہ واریت اور منشیات کی لعنت پر مشتمل ہیں۔ اُن کا طرزِ تحریر بالکل فطری ہے۔ وہ زبان و بیان پر مکمل قدرت رکھتے ہیں اور اُن کے ہاں فطری رنگ اپنا ارتقائی عمل طے کرتا نظر آتا ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں اُن کے کرداروں کے مطابق زبان کا اِستعمال کرتے ہیں اور ہمیشہ مقصدیت کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ یوں اپنے افسانوی رنگ میں ادب کو زندگی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

خیبر پختونخوا کے جنوبی اضلاع کے اُردو شعری و نثری ادب میں "قیوم مروت" کا ایک معتبر حوالہ ہے اُن کا کمال یہ ہے کہ وہ دونوں زبانوں اُردو پشتو کے ادب کو پروان چڑھا رہے ہیں وہ بیک وقت شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی، ناول نگار اور افسانہ نگار بھی ہیں، سوانح نگار اور کالم نگار بھی، مزاح نگار بھی اور ترجمہ نگار بھی ہیں۔ اُنہوں نے تاحال دونوں زبانوں میں نثر و نظم میں کئی کتب تخلیق کی ہیں۔ اُن میں تحقیقی بصیرت بدرجہ اتم موجود ہے۔

وہ بنیادی طور پر رومانیت پسند ہیں۔ اُن کی تقریباً ہر تحریر سے کسی نہ کسی صورت میں رومانس جھلکتا ہے بلکہ اُن کی تحریر کی بنیاد بھی رومان پر ہوتی ہے لیکن اپنے تھیم اور الفاظ کے ساتھ اپنی تہذیب اور شناخت کے ساتھ وہ جنسیت کے قائل تو ہیں لیکن اِس کو ایک عالم گیر حقیقت مانتے ہیں اور جنسیت کو بے ہودگی کا لبادہ نہیں پہناتے۔ باوجود اِس کے اُن کے افسانوں میں مقصدیت کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ وہ خارجی مسائل، معاشرتی آسودگیوں اور منافقتوں کی نشان دہی کرتے ہیں اور عام زندگی میں انسانوں کو افسانوں کے کرداروں میں سامنے لاتے ہیں۔ یوں اُن کے افسانوں میں درجنوں موضوعات سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں جو اصلاحانہ، ناقدانہ اور واعظانہ سبھی رنگوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

وہ مصلح قوم ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُن کے معاشرے میں موجود برائیوں کا قلع قمع ہو اور ایک صلح معاشرہ وجود میں آئے جہاں مساوات ہو، امن، چین اور سکون ہو وہ معاشرتی خرابیوں اور سماجی برائیوں پر کُھل کر تنقید بھی کرتے ہیں لیکن اپنے معاشرے کے اعلیٰ اقدار کو سراہتے بھی ہیں مجموعی طور پر وہ جنوبی اضلاع کے پشتو اور اُردو کے اچھے شاعر و نثر نگار ہیں۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

نوجوان قلم کار "منیر احمد فردوس" کا تعلق بھی جنوبی اضلاع سے ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوی مجموعے "سناٹوں کا شہر" میں انتہائی سادہ الفاظ میں معاشرے اور انسانیت کے المیوں کو آشکارا کیا ہے۔ ان کے افسانے بیانیہ طرزِ تحریر کے خوبصورت نمونے ہیں۔ انہوں نے استعاروں اور علامتوں سے ہٹ کر ادب کو تخلیق کیا ہے۔ ان کی تحریریں جیتے جاگتے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ وہ اپنے غم اور دکھ میں عام قاری کو شامل کرنا چاہتے ہیں اور شاید اسے ہی ابلاغ کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تجریدیت اور علامت سے گریز کیا ہے لیکن اس ساری کاوش میں نہ ہی ادبیت مجروح ہوئی ہے اور نہ ہی افسانہ۔

منیر احمد فردوس کی افسانہ نگاری میں کہانی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ واقعات کی کڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ ایک خوبصورت ربط کے ساتھ موجود ہیں جس سے دل چسپی اور خوشگوار کیفیت میں اضافہ ہوا ہے۔ کہیں کہیں طوالت سے تھوڑی سی اکتاہٹ کا احساس ہوتا ہے مگر یہ مقامات آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

منیر احمد فردوس کے یہاں بہترین منظر نگاری دیکھنے کو ملتی ہے۔ منظر کسی بھی تخلیقی ادب کا وہ حسن ہے جو تحریر کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ اصل میں منظر نگاری اگر موضوع کے مطابق ہو تو افسانہ قاری کو اپنے سحر میں لے لیتا ہے اور وہ واقعات اور مناظر میں کھو کر اپنے ارد گرد کی دنیا کو بھول کر افسانے کی فضا میں گم ہو جاتا ہے۔ اور سناٹوں کا شہر میں یہ کمال موجود ہے۔

منیر احمد فردوس کے افسانے خوبصورت مکالموں اور بہترین کرداروں سے مزین ہیں۔ ان کے افسانوں کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک حساس دل رکھنے والے انسان نے انتہائی کرب جھیل کر تحریر کیے ہیں۔ یہ وہ کرب ہے جو پڑھتے ہوئے قاری کو محسوس ہوتا ہے اور اسے یہ سب کچھ جگ بیتی نہیں آپ بیتی لگتا ہے۔

منیر احمد فردوس اپنے قلم سے افلاس زدہ طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کا قلم رواں دواں ہے۔ انکے یہاں مناظر بدلتے رہتے ہیں اور کہانی میں ٹھہراؤ کی کیفیت بالکل نہیں۔ ان کی تحریریں چونکاتی کم اور کرب و سوچ میں زیادہ مبتلا کرتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ادیب جہاں چونکانے کی شعوری کوشش کرتا ہے وہاں اس کے ہاتھ سے افسانہ ہاتھ چھڑا کر نکل جاتا ہے۔ واقعات و حالات کی فطری روافسانے کا وہ حسن ہے جو اسے ابدیت کے مقام پر فائز کرتا ہے۔ بقول محمد حمید شاھد:

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

"دوسرے واقعات سے جڑ کر ایک کہانی میں ڈھلنے والے کسی وقوعے کا ایک خاص بات کہنے کی للک سے ماجرائی بہاؤ سے بچھڑ جانا عام سی بات ہے۔ایسے میں واقعات پر بیانیے کی گرفت ڈھیلی پڑنے کی وجہ سے خیال کنی کاٹتا اپنی راہوں پر نکل کھڑا ہوتا ہے۔"(۷)

انہوں نے مشرق میں بیٹھ کر مشرق ہی کو لکھا اور ویسے بھی افسانہ وہی پرزور اور تاثر سے بھرپور ہوتا ہے جو مقامیت کی عکاسی کرتا ہوا آفاقیت کی حدوں کو چھو جائے اور ظاہر ہے کہ انسان جس ماحول میں رہ رہا ہو، جہاں اس نے ماہ وسال گزارے ہو اور جہاں اس نے معاشرے کے اندر چھپی ہوئی ناہمواریوں کو انتہائی باریکی سے دیکھا ہو اس کو زیادہ بہتر طریقے کے ساتھ زندگی کے کینوس پر اصلی اور سچے رنگوں کے ساتھ پینٹ کر سکتا ہے۔یہی وہ امور ہوتے ہیں جن کے زریعے وحدت تاثر زیادہ بہتر طریقے سے ابھر کر سامنے آتا ہے۔

نوجوان افسانہ نگار، ناول نگار، شاعر اور مترجم "حمزہ حسن شیخ" ڈیرہ اسماعیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ حمزہ حسن شیخ کی کہانیوں میں فنکار اپنے اصل منصب پر فائز نظر آتا ہے۔انہوں نے موضوعات معاشرے اور اردگرد کے ماحول سے چنے ہیں ان میں کوئی ماورائی تاثر نہیں ملتا اور نہ ہی افسانوی مصلحتوں کے شکار نظر آتے ہیں۔

حمزہ حسن شیخ کا کمال یہ ہے کہ وہ جس طبقے کی بھی نمائندگی کرتے ہیں تو اپنے بھرپور مشاہدے کے زور پر اس کا حق ادا کرتے ہیں اور اس کی بڑی پیاری اور عمدہ تصویر کھینچتے ہیں۔وہ بڑی سادگی کے ساتھ اپنی من کی بات کہہ دیتے ہیں۔ان کے افسانوں میں چونکا دینے والی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ان کے افسانوں کے جڑیں ہماری زمین سے پھوٹتی ہیں اور اس کا ماحول اور کردار ہمارے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ان کے افسانوں میں ہمارے اردگرد بسنے والے لوگ کرداروں کی صورت میں ملتے ہیں۔جن میں مزدور، گورکن، استاد، سیٹھ، بھکاری، کمہار، زمیندار، بابو، مولوی، حاجی صاحب، بچے اور مائیں شامل ہیں۔ فطرت کی منظرکشی اور تصویرکشی کے دوران ان کے افسانوں میں برستی بارش، ندی، نالے، سمندر، پرندے اور برگد کے درخت وغیرہ کے ذکر سے ایک خوب صورت احساس جاگتا ہے۔ان کے افسانے پڑھنے سے خوشگوار احساس ہوتا ہے۔

حمزہ حسن شیخ کے افسانوں میں مقامی تہذیب وثقافت کی جھلکیاں ملتی ہیں۔وہ ایک ماہر جراح کی طرح نشتر لے کر سماج میں موجود ان کوڑھوں کی جراحی کرتا ہے جو ناسور بن چکے ہیں۔ان کے افسانوں میں غم دوراں، غم جاناں، عدم تحفظ، شناخت کا بحران، تلخ حقائق، سماجی شعور، عصری آگہی اور موضوعات کی ندرت وغیرہ کا ذکر جابجا ملتا

ہیں۔وہ بغیر کسی لگی لپٹی بات کرنے کا قائل ہے اور اپنی علمیت جھاڑنے کے لیے ادق، متروک اور نامانوس الفاظ اور تراکیب کا استعمال نہیں کرتے ہیں۔ان کا اسلوب نہایت رواں دواں اور شستہ ہے۔

محمد حامد سراج ان کے افسانہ نگاری کے حوالے سے لکھتا ہے:

"حمزہ حسن کے افسانوں میں ایک کشش تھی ایک مقناطیسی قوت جو قاری کو اپنی جانب کھینچتی تھی۔"(۸)

"حبیب موہانا" بھی ڈیرہ اسماعیل خان سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کا افسانوی مجموعہ "ادھوری نیند" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔حبیب موہانا کے افسانوں میں معاشرتی بے حسی، احساس کمتری، جہالت اور معاشرتی استحصال کے پہلو کافی نمایاں ہیں۔ ہر معاشرے اور قوم وملک کے لیے ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی سماجی یا اقتصادی رجحان ہوتا ہے۔اس دور کا ادب بھی انہی رجحانات سے متاثر ہوتا ہے اور یہی روح عصر کہلاتا ہے۔موجودہ دور میں طبقاتی تقسیم، سماجی اونچ نیچ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کو حبیب موہانا کی تحریر میں خاصی اہمیت حاصل ہے۔

حبیب موہانا کے افسانوں کی ایک خاصیت اس میں کہانی پن یا قصہ پن کا ہونا ہے۔بعض افسانہ نگار علامت نگاری کے چکر میں پڑھ کر کہانی سے پہلو تہی اختیار کر جاتے ہیں اور کچھ افسانہ نگار مقصدیت کو سامنے رکھ کر ادب کو پروپیگنڈا بنا دیتے ہیں مگر ایک سچا فنکار ان دونوں انتہاؤں سے بچ کر چلتا ہے۔حبیب موہانا کے افسانوں میں کہانی پر بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے اور دوراز کار علامتوں سے گریز کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔واقعات کے تسلسل اور باہمی ربط سے پلاٹ انتہائی مربوط ہے۔البتہ کہیں کہیں کہانی پر حد درجہ توجہ سے افسانہ ان کے ہاتھ نکلتا بھی دیا ہے۔مگر خوب صورت مکالمات نے اس عیب کو چھپالیا ہے۔اگرچہ ان کے مکالمات اعلیٰ معیار کے تو نہیں مگر اپنا حق ادا کیا ہے۔مکالمہ ہی وہ ذریعہ ہوتا ہے جس سے کردار میں جان پڑتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے افسانوں کے کردار کافی ابھر کے سامنے آئے ہیں۔

حبیب موہانا کے کہانیوں کے کردار گاؤں کے ہاری، مزدور، کسان اور پسے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ وہ کردار ہوتے ہیں جو زندگی کی تلخیوں اور کشمکش سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔

موہانا کے افسانے کی ابتدا انتہائی سادہ انداز سے ہوتی ہے، کوئی ڈرامائی کیفیت سے ابتداء نہیں کرتے بلکہ سیدھے سادھے انداز سے کہانی شروع ہوتی ہے۔مگر اس کے باوجود دلچسپی کا عنصر بھرپور ہوتا ہے۔افسانہ کا کینوس

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

چھوٹا اور محدود ہوتا ہے اس لیے کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ بات کر دینا ہی فنکاری ہے۔ افسانے کا فن بھی غزل کی طرح ہوتا ہے یعنی سمندر کو کوزے میں بند کر دینا ہوتا ہے۔ حبیب موہانا کا افسانہ اس معیار پر پورا تو نہیں اترتا پر اس نے اپنی سی بھرپور کوشش کی ہے۔ یہ بات اس لیے کرنی پڑی کیونکہ آج کل افسانہ کا فن بہت آگے نکل گیا ہے۔ ایک افسانہ نگار زندگی کے فلسفے کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ وجود کو جھنجوڑ کر رکھ دے اور یہ مقامات حبیب کے افسانے میں آٹے میں نمک کے برابر آتے ہیں۔

بہر حال حبیب موہانا کی یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ انہوں نے جس موضوع کو بھی برتا وہ اپنا اثر چھوڑنے میں ضرور کامیاب ہوا اور یہی ادب کی ایک بہت بڑی خصوصیت ہے کہ وہ وحدت تاثر سے بھرپور ہو۔

خیبر پختونخوا کے جنوبی اضلاع میں افسانوی ادب تخلیق کرنے والوں میں اور بھی کئی ایسے نام ہیں جنھوں نے اِس خطہ میں اُردو افسانہ کی ترویج و اِرتقاء میں کلیدی کردار ادا کیا لیکن چونکہ ان کے افسانے زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئے ہیں اس لیے اس مقالے میں ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

حوالہ جات

۱. احمد پراچہ۔ سرحد میں اردو مشمولہ پاکستان میں اردو (جلد سوم)، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان ۲۰۰۶ء، ص ۴۰

۲. رضا ہمدانی۔ رحیم گل، فکر و نظر کے لیے کئی جنتیں اپنے ترکے میں چھوڑ گیا، مشمولہ یادرفتگاں، ادارہ علم وادب، کوہاٹ ۱۹۹۳ء ص ۳۴۲

۳. زاہدہ حنا۔ مقدمہ، غارت گری کی داستان، مشمولہ ناول تیری آنکھیں خوب صورت ہیں، سٹی بک پوائنٹ، کراچی ۲۰۰۷ء، ص ۷۰

۴. محبت خان بنگش۔ کانچ کی چوڑیاں، ادارہ علم وادب، بزم اردو پاکستان، کوہاٹ، ۱۹۸۵ء، ص ۶

۵. سید محمود شوکت۔ دورستے (دو رستے)، مکتبہ مستجاب، کوہاٹ، س ن، ص ۴۱

۶. اسلم فیضی۔ سوتی جاگتی کلیاں (تاثرات)، ادارہ ادب وسائنس، کوہاٹ، ۱۹۸۵ء، ص ۰۹

۷. محمد حمید شاہد۔ سناٹوں کا شہر، بیک پیج، ق پبلی کیشنز، ڈیرہ، ۲۰۱۵ء، ص ۱۲۴

۸. محمد حامد سراج۔ کاغذ (حمزہ حسن کے افسانوی کواڑ)، الفتح پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۴ء، ص ۸